© rasailojaraid.com

سعودی حکومت .... تاریخ کے آئینے میں!!!

مولانا محمد اسحاق بھٹی

سعودی حکمران خاندان کا آغاز پندرھویں صدی عیسوی کے وسط سے ہوتا ہے اس کے سب سے بڑے رکن کا نام سعود تھا، جس کی طرف یہ خاندان منسوب ہے۔ عربی تاریخ کی کتابوں میں اس کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے: سعود بن محمد بن مقرن بن مرخان بن ابراہیم بن موسیٰ بن ربیعہ بن نافع بن اسد بن ربیعہ بن نظار بن معاد بن عدنان۔

سعود بن محمد عرب کی جس قوم سے تعلق رکھتا تھا اسے غیزہ کہا جاتا تھا اور اس کا ایک قبیلہ ''مصالیخ'' تھا سعود اس قبیلے کا سردار تھا اور وہ عرب کے مشرقی خطے میں ''دہنا'' کے اس پار رہتا تھا۔ اس کی شادی حجر یمامہ یعنی ریاض کے امیر ابن درع کے خاندان میں ہوئی تھی۔ امیر ابن درع اور سعود آپس میں گہرے دوست تھے۔ 1446 میں حجر یمامہ کے امیر نے سعود بن محمد کو اپنے یہاں آنے اور مستقل طور پر قیام پذیر ہونے کی دعوت دی۔ وہ آیا تو درعیہ کے قریب اسے کچھ زمین عطا کر دی گئی۔ اس علاقے کو قصیبہ کہا جاتا تھا۔ سعود بن محمد کا خاندان وہاں آباد ہوگیا اور ان لوگوں نے وہاں اچھی خاصی عمارتیں بنالیں۔

خاندان کا سلسلہ نسل آگے بڑھا تو ان میں ایک شخص محمد بن سعود پیدا ہوا، جس نے عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو اس علاقے کی زمام امارت اپنے ہاتھ میں لی، جو اس نواح میں ''امارۃ السعود درعیہ'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ تاریخی اعتبار سے سعودی خاندان کے عہد امارت کو تین اہم ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

سلطان عبدالعزیز نے صرف 15 آدمیوں کو ساتھ لیکر ریاض شہر کو فتح کر لیا تھا۔ اور یہ سلطان عبدالعزیز کا وہ جنگی کارنامہ تھا جس پر سلطان خود حیران اور متعجب تھا

پہلا دور محمد بن سعود کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو 1819 تک چلتا ہے اس دور میں اس خاندان کے یکے بعد دیگرے پانچ افراد برسر اقتدار آئے۔ پہلے محمد بن سعود جو 1726 سے 1765 تک منصب امارت پر فائز رہے۔ مشہور نجدی مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب کا تعلق اس خاندان سے انہیں کے عہد میں قائم ہوا۔ ان کی وفات کے بعد دوسرے امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود ہوئے جو 1765 سے 1803 تک مسند امارت پر متمکن رہے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے سعود بن عبدالعزیز کا دور آیا جو 1803 سے شروع ہوکر 1813 میں ختم ہوگیا۔ پھر عبداللہ بن سعود نے زمام امارت ہاتھ میں لی، انہوں نے 1813 سے 1817 تک حکومت کی۔ بعد ازاں اقتدار کی باگ ڈور مصر کے محمد علی اور ابن معمر کے فوجی قبضے میں چلی گئی۔ فوجی قبضے کی مدت دو سال (1817 سے 1819 تک) بنتی ہے۔ پھر 1819 میں مشاری بن سعود کا زمانہ امارت آیا جو صرف ایک سال پر مشتمل تھا۔ یہ تمام سعودی حکمران بڑے باہمت، نیک طینت، وسیع الظرف، لوگوں کے خیر خواہ، فراخ حوصلہ اور کشادہ دست تھے۔

دوسرے دور کا آغاز امیر ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود کی امارت سے ہوتا ہے۔ اب اقتدار عبدالعزیز بن محمد کے بیٹوں کے قبضے سے نکل کر اس کے بھائی عبداللہ بن محمد بن سعود کی اولاد کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ یہ دور 1819 سے لیکر 1865 تک چلتا ہے یعنی چھیالیس برس پر پھیلا ہوا ہے۔ اس اثناء میں سعودی خاندان کے چھ امیر برسر اقتدار آئے جس کی تفصیل یہ ہے: ترکی بن عبداللہ نے 1819 سے لیکر 1833 تک حکومت کی۔ مشاری بن عبدالرحمٰن 1834 سے 1838 تک چار سال عہد امارت پر فائز رہے۔ خالد بن سعود کا دور امارت 1838 سے 1841 تک تین سال،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مشتمل ہے۔ عبداللہ بن شنیان 1841 سے 1843 تک تین سال اور فیصل بن ترکی (دوسری مرتبہ) 1843 سے 1865 تک بائیس برس منصب امارت پر متمکن رہے۔

اس کے بعد نہایت خلفشار اور ہنگاموں کا دور آیا جو 1902 تک چلا، چند الفاظ میں اسے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے: عبداللہ بن فیصل کی امارت (پہلی مرتبہ) 1865 سے 1869 تک چار سال سعود بن عبدالعزیز 1869 سے 1874 تک پانچ سال، عبداللہ بن فیصل کی امارت دوسری مرتبہ 1874 سے 1884 تک دس سال۔ رشید خاندان کا عہد اقتدار 1884 سے 1889 تک پانچ سال۔ عبدالرحمٰن الفیصل 1889 سے 1891 تک دو سال۔ محمد بن فیصل 1891 سے 1892 تک ایک سال۔ رشیدیوں کا قبضہ 1892 سے 1902 تک دس سال۔

تیسرا دور تو یہ دور 1902 سے جلالۃ الملک شاہ عبدالعزیز کے عہد امارت سے شروع ہوتا ہے۔ جسے موجودہ دور حکومت کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ اب ان تینوں ادوار کے بارے میں اختصار کے ساتھ چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں لیکن اس سے پہلے شیخ محمد بن عبدالوہاب کا تذکرہ نہایت ضروری ہے جو نجد کی اصلاحی تحریک کے اولین رکن تھے اور انہوں نے اس علاقے کے بہت بڑے مصلح کی حیثیت سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق سعودی امارت کے پہلے دور سے ہے۔ وہ 1703 میں پیدا ہوئے اور اپنے والد گرامی شیخ عبدالوہاب سے تعلیم حاصل کی جو اس علاقہ کے شہر ''حریملہ'' کے قاضی تھے اور اس نواح میں نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ عبدالوہاب نے 1740 میں وفات پائی۔

ان کے بیٹے محمد بن عبدالوہاب نے بہ درجہ غایت گرمجوشی سے تبلیغ و اصلاح کا سلسلہ شروع کیا اور اس راہ میں بہت سی مشکلات سے دوچار ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے انہیں شدید تکلیفوں میں مبتلا کیا لیکن وہ کسی تکلیف کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ بے شمار لوگ ان کے ساتھ ہوگئے اور ان کا حلقہ دعوت و اصلاح پورے علاقے میں پھیل گیا۔

اس وقت ان کے دائرہ اثر و رسوخ نے مزید وسعت اختیار کرلی، جب ان کا رابطہ امیر محمد بن سعود سے قائم ہوا۔ امیر محمد بن سعود 1746 میں درعیہ کے منصب امارت پر متمکن ہوا اور 1765 تک اس نے حکومت کی۔ 1747 میں اس نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ پر بیعت کی اور دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ وہ احکام شریعت کی تبلیغ کریں گے۔ بدعات و رسوم، اوہام پرستی اور خلاف اسلام امور کے خاتمے کیلئے کوشاں ہوں گے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، چنانچہ دونوں اس عہد پر قائم رہے اور دونوں نے اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق بے پناہ خدمات انجام دیں۔ اور 1793 میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

تھوڑے عرصے کے بعد حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ امیر محمد بن سعود نے اپنا پایہ تخت درعیہ کی بجائے ریاض کو قرار دیا۔ اب جیسے جیسے ان کا سیاسی اثر و رسوخ بڑھنے لگا، اسی نسبت سے مخالفت کے سلسلے میں بھی تیزی آگئی۔ مکہ مکرمہ پر شریفی حکومت کا قبضہ تھا۔ انہوں نے امیر محمد بن سعود کو فریضہ حج ادا کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد 1765 میں امیر موصوف وفات پاگئے۔

ان کے بعد ان کے بیٹے امیر عبدالعزیز مسند امارت پر فائز ہوئے۔ وہ نہایت بہادر، حوصلہ مند اور بے حد جری حاکم تھے۔ عوام میں ان کو بڑی مقبولیت حاصل تھی، مختلف قبائل و قصبات میں وہ خود جاتے اور لوگوں کی غمی خوشی میں شریک ہوتے۔ انہوں نے فروغ تعلیم کیلئے بڑی جد وجہد کی، شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ بھی اپنے باپ کی طرح ان کے نہایت مخلصانہ تعلقات تھے۔ جہاد کا سلسلہ بھی انہوں نے باقاعدہ جاری رکھا اور ریاض کے علاوہ نجد کے متعدد اضلاع پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا۔ حجاز کا حکمران شریف غالب ان کی طاقت سے اس قدر مرعوب ہوا کہ اس نے ان کے ساتھ صلح بھی کرلی اور ان کو اور ان کے نجدی ساتھیوں کو بھی از خود فریضہ حج ادا کرنے کی اجازت دے دی۔ 1803 تک سعودیوں اور شریفیوں کی صلح رہی اس کے بعد پھر جھگڑے شروع ہوگئے۔ اس اثناء میں امیر عبدالعزیز بن محمد نے طائف پر قبضہ کرلیا اور شریف غالب جدہ کی طرف بھاگ گیا۔ یہ واقعہ 1803 کو پیش آیا۔

امیر عبدالعزیز بن محمد کے زمانہ امارت میں فتوحات کے دائرے نے بڑی وسعت اختیار کی اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ 1799 میں اس نے اپنے بیٹے سعود کی کمان میں عراق کی طرف جو فوجیں بھیجیں، وہ کربلا تک پہنچ گئی تھیں جو عراق کے عین وسط میں واقع ہے۔ پورا عراق اس وقت ان فوجوں کی زد میں تھا۔ ان دنوں امیر عبدالعزیز کی سلطنت مشرق میں بحیرہ عرب سے لیکر مغرب میں بحیرہ احمر تک اور جنوب میں عراقی سرحدوں سے لیکر بیشہ اور عسیر تک وسیع ہوگئی تھی۔ ان تمام علاقوں میں اتحاد کی فضا پیدا ہوگئی تھی، چاروں طرف امن و امان کا شامیانہ تن گیا تھا اور اس پورے علاقے میں اسلامی احکام پر عمل ہونے لگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا لیکن آنا فانا یہ ہولناک حادثہ پیش آیا کہ ایک دن امیر عبدالعزیز درعیہ کی مسجد طریف میں مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے ان کو قتل کر دیا۔ یہ حادثہ 1803 میں پیش آیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قاتل عراق کے ایک قصبے ''العمارہ'' کا رہنے والا تھا اور شیعہ مسلک کا حامل تھا وہ راہب کے بھیس میں درعیہ آیا اور کچھ عرصہ وہاں رہا موقع پاتے ہی امیر موصوف کے جسم میں زہر میں بجھا خنجر گھونپ دیا اور وہ اسی وقت وفات پا گئے کہا جاتا ہے کہ قاتل کو ان پر غصہ یہ تھا کہ ان کی فوجوں نے کربلا کے بعض مشاہد کو منہدم کر دیا تھا۔

امیر عبدالعزیز کی وفات کے بعد مسند امارت ان کے بیٹے سعود کے سپرد ہوئی۔ یہ سعودی مملکت کے بانی کا پوتا تھا جو اپنے باپ کی طرح نہایت عاقل و فہیم، دور اندیش، صاحب جودت و سخا اور جرات مند حکمران تھا۔ صالحیت اور صلاحیت دونوں اوصاف اس میں پائے جاتے تھے۔ اس نے نو حج کئے اور ہر سال حج کے موقع پر کعبۃ اللہ پر چڑھانے کیلئے سرخ مخمل کا غلاف اپنے ساتھ لیکر جاتا تھا۔ وہ اپنے علاقے میں تعلیم عام کرنے کا انتہائی خواہش مند تھا، چنانچہ اس خواہش کی تکمیل کیلئے مختلف مقامات پر اس نے بہت سے معلم بھیجے، جنہوں نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

یہ زمانہ ترکی میں عثمانی حکومت کا تھا۔ سعودی مملکت کی وسعت سے ترکی کی عثمانی حکومت بھی برافروختہ ہوئی۔ اس نے 1798 میں اپنی فوجیں سعودی فوجوں سے لڑائی کے لئے ''احسا'' کی طرف روانہ کر دیں، جہاں سعودی فوجیں مقیم تھیں۔ ادھر شریف غالب بھی سعودی افواج سے جنگ کیلئے چل پڑا۔ مصر کا حکمران محمد علی نجد پر حملے کیلئے کمر بستہ ہوگیا اور اس نے 1811 میں اپنے بیٹے طوسون کی کمان میں نجد کی طرف فوجیں بھیج دیں جو بحیرہ احمر کے کنارے ''ینبع'' پر قابض ہوگئیں۔ ادھر نجدی لشکر نے شہزادہ عبداللہ بن سعود کی کمان میں مصری فوجوں پر حملہ کر دیا اور انہیں شکست دی۔ مصری فوج کا ایک حصہ واپس مصر چلا گیا۔

محمد علی نے اس سے اگلے سال 1812 میں سعودیوں کے خلاف دوبارہ بہت بڑی مہم روانہ کی، جس نے شدید جنگ کے بعد مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد 1813 میں جدہ اور مکہ معظمہ پر بھی مصری فوجیں قابض ہوگئیں۔ اسی سال امیر سعود نے وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ بن سعود نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ وہ 1813 سے 1817 تک برسر اقتدار رہا۔ یہ بھی اپنے پیشرؤوں کی طرح بلند حوصلہ اور جرات مند امیر تھا لیکن مخالفین کی یلغار اتنی سخت تھی اور ان کے حملوں کا سلسلہ اتنا تیز تھا کہ عبداللہ کو ان کے مقابلے میں شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ 1815 میں مصر کے محمد علی کا بیٹا طوسون بہت بڑی فوج کے ساتھ امیر عبداللہ کے علاقے پر حملہ آور ہوا اور مارچ کے مہینے میں نجد میں داخل ہو کر اس نے الواس پر قبضہ کر لیا لیکن الواس کے مقام پر اس کے اور عبداللہ کے درمیان صلح ہوگئی مگر یہ صلح عارضی ثابت ہوئی۔ 1816 میں محمد علی کے دوسرے بیٹے ابراہیم نے مصری فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور عبداللہ سے جنگ شروع کر دی۔ ایک سال کی مسلسل اور خوں ریز جنگ کے بعد وہ درعیہ پہنچ گیا اور 1818 میں نجد کے دارالحکومت ریاض میں داخل ہوگیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم نے اسی پر اکتفا نہیں کی، اس نے امیر عبداللہ بن سعود اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خاندان کے بہت سے افراد کو گرفتار کر کے قاہرہ بھیج دیا، جن میں خود امیر عبداللہ بھی شامل تھے۔ پھر 1820ء میں امیر عبداللہ، ان کی حکومت کے وزیر خزانہ اور سیکرٹری کو میدان اباصوفیہ میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اس سے ایک سال قبل 1819 میں امیر عبداللہ بھائی مشاری نے درعیہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی، اسے بھی گرفتار کر لیا گیا۔

اسی زمانے میں عبداللہ کا ایک بیٹا جس کا نام ''ترکی'' تھا، ریاض آیا اور اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا، لیکن محمد علی پاشا کی فوج نے اس کو بھی وہاں سے نکال دیا۔ 1822 میں ترکی پھر میدان میں اترا اور محمد علی کی فوجوں پر حملہ کر کے انہیں شدید پریشانی میں ڈال دیا اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس نے کچھ عرصہ حکومت کی، اس کے بعد اسے اسی خاندان کے ایک امیر نے قتل کر دیا اور اقتدار پر قابض ہوگیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد ترکی کے بیٹے فیصل نے دوبارہ اپنی آبائی سلطنت پر قبضہ کر لیا، یہی وہ فیصل ہے جس سے خاندان سعود کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی بہت سی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں، جن کے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ یہ امیر فیصل جس سے سعودی حکومت کی حکمرانی کے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے، یہ دور بہت زیادہ مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف اس کے بیرونی مخالف تھے اور وہ تھے مصر اور ترکی کے حکمران اور اس کے ساتھ ہی حجاز کی شریفی حکومت۔ دوسری طرف خود اس کے خاندان کے لوگ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے تھے۔ فیصل نہایت احتیاط اور انتہائی عقل مندی کے ساتھ ان سب کا مقابلہ کر رہا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلسل پانچ سال سویز میں نظر بند رہا۔ آخر حالات سے مجبور ہوکر اسے مصریوں اور ترکوں سے تعلقات قائم کرنا پڑے۔ 1886 میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے انتقال کے ساتھ ہی اس کے بیٹوں کے درمیان جھگڑے شروع ہو گئے۔ پہلے سعود امیر بنا، پھر اس کے بھائی عبداللہ نے مسند امارت سنبھالی۔ بعدازاں عبدالرحمٰن اس منصب پر فائز ہوا لیکن امیر عبدالرحمٰن بھی اطمینان سے حکومت نہ کر سکا۔ آخر 1888 میں اسے اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر کویت میں پناہ لینا پڑی۔ امیر عبدالرحمٰن سعودی حکومت کے موجودہ حکمران شاہ فہد کے داوا اور ان کے والد سلطان عبدالعزیز (ابن سعود) کے والد محترم تھے۔ امیر عبدالرحمٰن کے کویت جانے کے بعد ان کے بھائی عبداللہ کو امیر مقرر کیا گیا لیکن وہ برائے نام امیر تھا۔ اصل اختیارات امیر ابن رشید (یا شریفی خاندان) کے ہاتھ میں تھے۔

سعودی خاندان کی تاریخ مسلسل جدوجہد اور تائید حق وصداقت کی بہادرانہ مساعی سے بھرپور ہے۔ سلطان عبدالعزیز جنہیں عرف عام میں سلطان ابن سعود کہا جاتا ہے۔ اس خاندان کے نہایت شجاعت پیشہ رکن اور عظیم الشان روایات کے حامل تھے۔ وہ امیر عبدالرحمٰن کے فرزند ارجمند تھے۔ سعودی خاندان کے تیسرے دور کا آغاز اسی سلطان عبدالعزیز سے ہوتا ہے اور اس دور کا تسلسل اللہ کے فضل سے جاری ہے۔ عبدالعزیز کی ولادت 23 نومبر 1880 کو دولت سعودیہ کے دارالحکومت ریاض میں ہوئی، جب ان کے والد امیر عبدالرحمٰن 1888 میں نجد سے نکل کر شیخ کویت کے ہاں پناہ گزین کی حیثیت سے گئے۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ برس کی تھی۔

یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس زمانے کی کویتی حکومت اور سعودی خاندان کے باہمی تعلقات خوشگوار نہ تھے لیکن ان کے درمیان نقطہ اتحاد یہ تھا کہ حجاز کی رشیدی اور شریفی حکومت کے یہ دونوں مخالف تھے۔ چنانچہ ''دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے'' کے اصول کے مطابق دونوں کے درمیان مصالحت ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ امیر عبدالرحمٰن نے کویتی حکومت کی مدد سے دو مرتبہ رشیدیوں پر حملہ کیا۔ یہ الگ بحث ہے کہ دونوں مرتبہ انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اب چند باتیں سلطان عبدالعزیز (ابن سعود) کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں۔ وہ بڑے ہوئے تو اپنے والد امیر عبدالرحمٰن کے پاس کویت چلے گئے، اپنے خاندان کی گزشتہ تاریخ سے وہ پوری طرح آگاہ تھے اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کیلئے انتہائی بے تاب تھے۔ انہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں کس طرح کویت سے ریاض کا عزم کیا اور بالآخر اسے فتح کرنے اور اس پر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ کس طرح کامیاب ہوئے؟ یہ نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے اور اس مادی دور اور بے پناہ اسلحہ کے زمانہ میں اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ سب اللہ کے بھروسے اور جذبہ صادق کی بنیاد پر ہوا جس کی مختصر روداد یہ ہے:

1901 میں جب کہ عبدالعزیز کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی وہ تین سو کے لگ بھگ مجاہدوں کے ساتھ خفیہ طور سے صحرا میں نکلا۔ 11 جنوری 1902 کو عیدالفطر کی نماز ریاض کے قریب ایک گاؤں ''ابو جفان'' میں پڑھی، اس وقت دو سو آدمی اس کے ساتھ تھے۔ عید سے دوسرے روز 12 جنوری 1902 (2 شوال 1319ھ) کو اس نے اچانک ریاض کا قصد کیا۔ سورج غروب ہوا تو دو سو میں سے صرف چالیس آدمی ساتھ لئے، ایک سو ساٹھ افراد کو ایک جگہ ٹھہرایا اور تاکید کی کہ اگلے دن دوپہر تک ہماری طرف سے کوئی اطلاع نہ پہنچے تو سمجھ لینا کہ ہم اپنے وطن کو دوسروں کے غلامی کے چنگل سے نجات دلانے کی کوشش میں موت کا لقمہ بن گئے ہیں لہٰذا نہایت عجلت کے ساتھ کویت چلے جانا۔

رات کی تاریکی بڑھی تو یہ چالیس افراد ریاض کے قریب پہنچے، وہاں عبدالعزیز نے پچیس آدمیوں کو ایک جگہ روکا اور اپنے بھائی محمد بن عبدالرحمٰن کو ان کا امیر مقرر کیا۔ انہیں بھی یہی تاکید کی کہ اگر ہمارے متعلق کل کسی وقت تک کوئی خبر نہ ملے تو فوراً کویت واپس چلے جانا۔ اب عبدالعزیز نے صرف پندرہ آدمیوں کو اپنے ہمراہ لیا اور ان کے سمیت یہ کل سولہ آدمی مسافر کی حیثیت سے ریاض میں داخل ہوئے۔ رات قلعے کے سامنے ایک بے آباد مکان میں گزار دی، تمام افراد رات بھر قہوہ پیتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد قلعے پر حملے کی تیاری کر لی۔ جیسے ہی قلعے کا دروازہ کھلا، رشیدی حاکم بامصر باہر نکلا، عبدالعزیز نے اسے دیکھتے ہی اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور خود بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس پر جا گرا۔ حاکم مارا گیا اور عبدالعزیز اسی آن شہر پر قابض ہوگیا۔ یہ سلطان عبدالعزیز کا وہ جنگی کارنامہ تھا، جو ہزاروں جنگجو فوجی بھی آسانی سے انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس نے صرف پندرہ آدمیوں کے ساتھ بہت بڑا انقلاب بپا کر دیا۔ اور چند ثانیوں میں ایک مضبوط حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔ عرب (بالخصوص نجد کے عرب) شجاعت ومردانگی میں بڑی شہرت رکھتے ہیں لیکن پندرہ آدمیوں کی رفاقت میں ریاض جیسے شہر کی تسخیر میں جو ایک مضبوط سلطنت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دارالحکومت ہے، کامیاب ہوجانا خودان کے نزدیک بھی انتہائی حیرت انگیز واقعہ اور نہایت تعجب خیز کارنامہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان عبدالعزیز کی زندگی جرات وشجاعت کے بے شمار واقعات کا حیران کن مرقع تھی۔ ان کی تگ وتاز کے تمام پہلوؤں میں بے پناہ مجاہدانہ روح کار فرماتھی۔ عظمت وعزیمت کے جونقوش انہوں نے اپنے پیچھے چھوڑے اورزمین عرب پر مرتسم کئے وہ تاریخ حکمرانی کا ایک تابندہ اور درخشندہ باب بن گئے ہیں۔ ریاض کی فتح کے وقت جن پندرہ افراد کو عبدالعزیز اپنے ساتھ لے کر گئے تھے، تاریخ کی کتابوں میں ان کے نام بھی مرقوم ہیں۔ اس مرد مجاہد نے کمال جرات کا مظاہر کرتے ہوئے 1924 میں ریاض سے مکہ معظمہ کا عزم کیا، جس پر ایک ظالم حکمران شریف حسین قبضہ جمائے بیٹھا تھا، اسے اس بلدہ پاک سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد 1925 میں پورے حجاز کو فتح کرلیا۔ پھر 8 جنوری 1926 کو ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اب مکمل طور پر حرمین شریفین کی خدمت کا اعزاز انہیں حاصل ہوا۔ 1927 میں وہ نجد وحجاز کے فرمانروا قرار دیئے گئے اور انہیں بین الاقوامی حیثیت کا بہت بڑا حکمران مانا گیا۔ انہوں نے اپنے ان آبائی علاقوں کو فتح کر کے ان میں اسلامی طرز کی حکومت قائم کی، اس پورے خطے میں شریف حسین کے زمانے میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور حجاج کے قافلے رہزنوں کے ہاتھوں ہمیشہ خطرات میں گھرے اور لوٹ مار کا شکار رہتے تھے۔ لیکن سلطان عبدالعزیز نے نہایت اخلاص اور بے حد محنت کے ساتھ بہت تھوڑے عرصے میں اس قسم کی حکومت کی طرح ڈالی کہ لوٹ کھسوٹ اور بدامنی کا پوری مملکت میں قطعی طور سے خاتمہ ہوگیا۔ اب سعودی عرب کے کسی گوشے میں کوئی شخص کہیں چلا جائے، کسی نوع کے خطرے سے دوچار نہیں ہوگا۔

سلطان عبدالعزیز جہاں انتظامی صلاحیتوں سے پوری طرح بہرہ ور تھے، وہاں بہت بڑے عالم دین اور سیاست دان بھی تھے۔ سیاسیات عالم اور بین الاقوامی حالات پر وہ انتہائی گہری نظر رکھتے تھے۔ اور مشکل سے مشکل مسائل نہایت آسانی سے حل کردیتے تھے۔ وہ عمر بھر اتحاد عرب کیلئے مساعی اور ان تمام ملکوں میں اسلامی اسلوب حکومت کے قیام کیلئے کوشاں رہے۔ اس مسئلے کو انہوں نے اپنی زندگی کا بنیادی نصب العین قرار دے لیا تھا۔ یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ حجاز فتح کرنے کے بعد وہ اپنے والد محترم امیر عبدالرحمٰن کی خدمت میں کویت گئے، جہاں وہ اس وقت قیام پذیر تھے، ان سے نہایت ادب کیساتھ مسند اقتدار پر متمکن ہونے کیلئے عرض کیا لیکن انہوں نے یہ بہت بڑی ذمہ داری قبول کرنے اور زمام حکومت ہاتھ میں لینے سے انکار کردیا۔ اور سعادت مند بیٹے سے کہا یہ علاقہ چونکہ ان کی حسن تدبیر اور بہترین جنگی حکمت عملی کی بناء پر فتح ہوا ہے، اس لئے وہی اس پر حکومت کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں ...... لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ امور حکومت میں والد محترم سے مشورہ لیتے اور ان کے مشوروں کو شاہ راہ قرار دیتے رہے۔ امیر عبدالرحمٰن نے 1928 میں وفات پائی۔

امیر محمد بن سعود نے جب 1747ء میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان کے درمیان معاہدہ ہوا کہ محمد بن عبدالوہاب اس علاقے میں دعوت واصلاح کی خدمات سرانجام دیں گے اور محمد بن سعود احکام شرح کے مطابق حکومت کی ذمہ داریاں نبھائیں گے۔

سلطان عبدالعزیز 23 نومبر 1880 کو پیدا ہوئے تھے۔ 2 شوال 1319 ھ (13 جنوری 1902) کو انہوں نے ریاض فتح کیا اور 9 نومبر 1953 کو وفات پائی۔ اس طرح انہوں نے شمسی حساب سے 51 سال حکومت کی اور 73 برس تیرہ دن عمر پائی۔

ان کے بعد ان کے بڑے بیٹے سعود کو امیر مقرر کیا گیا، وہ 12 جنوری 1902 کو اس رات کویت میں پیدا ہوئے تھے جس رات ان کے والد سلطان عبدالعزیز نے چند رفقا کی معیت میں ریاض پر قبضہ کیا تھا انہوں نے گیارہ سال حکمران رہنے کے بعد 2 نومبر 1964 کو تمام اختیارات اپنے چھوٹے بھائی فیصل کے سپرد کردیئے تھے اور خود حکومت سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ مسند اقتدار پر فائز ہونے سے چند مہینے بعد وہ اپریل 1954 کو پاکستان کے دورے پر آئے تھے۔

فیصل بن عبدالعزیز (جو سعود کی علیحدگی کے بعد حکمران ہوئے) 1906 کو پیدا ہوئے۔ 1953 میں انہیں ولی عہد سلطنت بنایا گیا، 1961 میں نائب جلالۃ الملک کی ذمہ داریاں انہیں سونپی گئیں۔ شاہ فیصل کی ترقی یافتہ بادشاہ تھے، انہوں نے سعودی عرب میں بہت سی اصلاحات کا نفاذ کیا۔ وہ تمام اسلامی ممالک کے اتحاد کے حامی تھے، اس سلسلے میں انہوں نے ایران سمیت تمام اسلامی ملکوں کا دورہ کیا۔ وہ نہایت محتاط زندگی بسر کرتے تھے، ان کا زیادہ تر وقت دفتر میں یا مکان پر ملکی معاملات سے متعلق غو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روفکر میں صرف ہوتا تھا۔ امور سلطنت کے بارے میں تمام کاغذات وہ خود پڑھتے اور ضروری احکام خود اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ وہ جمہوریت کے حامی تھے اور دنیا کی سیاست کے نشیب وفراز پر عبور رکھتے تھے۔ وہ شاہانہ زندگی سے گریزاں تھے، سادگی پسند اور عوام سے میل جول رکھتے تھے۔ اجتماعی اور ملکی مسائل ان کا اصل موضوع تھے۔ عرب رواج کے برعکس انہوں نے ایک ہی شادی کی، وہ خالص اسلامی فکر کے حامل تھے۔

ملک میں تعلیم عام کرنے کے وہ بے حد شائق تھے، چنانچہ انہوں نے بہت سی تعلیم گاہیں قائم کیں، متعدد یونیورسٹیاں ان کی کوشش سے معرض وجود میں آئیں۔ سعودی عرب سے باہر متعدد ملکوں میں بھی انہوں نے تعلیمی ادارے قائم کیے اور ان کی مالی مدد کی۔ 1974 کو لاہور میں جو اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس کے انعقاد میں انہوں نے پاکستان کی حکومت کے ساتھ بے حد تعاون کیا۔ غرض وہ بے شمار خوبیوں کے مالک اور بہت سے اوصاف کے حامل تھے۔

وہ 25 اپریل 1975 کو اپنے بھتیجے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ تمام دنیا میں ان کی اس حادثاتی موت پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا گیا۔ مسلمان ملکوں میں خاص طور پر ان کی وفات کو شدید حزن والم کا باعث قرار دیا گیا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ جب تک زندہ رہے، ایک جرات مند مجاہد کی طرح زندہ رہے اور جب موت آئی تو وہ ایک شہید کی موت تھی۔

ان کے بعد انکے بھائی شاہ خالد سریر آرائے سلطنت ہوئے، وہ بھی اپنے پیشروؤں کی طرح نہایت فہیم ذ عاقل اور صاحب عزم و ہمت حکمران تھے۔ ان کے زمانے میں بھی سعودی مملکت نے بڑی ترقی کی اور بہت سی نئی اصلاحات اسمیں جاری کی گئیں۔ بین الاقوامی تعلقات میں بھی استحکام پیدا ہوا اور اسلامی ملکوں سے بھی روابط میں اضافہ ہوا۔

ان کی وفات کے بعد شاہ فہد کا دور آیا، یہ دور بھی ہر اعتبار سے سعودی حکومت کے لئے ارتقاء کا ضامن ہے۔ وہاں کے عوام بھی اس عہد میں انتہائی خوش ہیں اور دوسرے ملکوں سے روابط و مراسم کی حدیں بھی بہت مستحکم ہیں۔ تمام معاملات نہایت حسن وخوبی سے سرانجام دیئے جا رہے ہیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ امیر محمد بن سعود نے، جب وہ درعیہ کے منصب امارت پر فائز تھے، 1747ء میں علاقہ نجد کے مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان دونوں کے درمیان رابطہ قائم ہوا تھا، اس وقت طے یہ پایا تھا کہ محمد بن عبدالوہاب اس علاقے میں دعوت و اصلاح کی خدمات سرانجام دیں گے اور محمد بن سعود احکام شرع کے مطابق حکومت کی ذمہ داریوں کو نبھائیں گے۔ اس باہمی گفتگو پر اڑھائی سو سال سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے اور اس طویل مدت میں نجد وحجاز کے وسیع خطوں میں بے شمار انقلابات رونما ہو چکے ہیں لیکن دونوں رہنماؤں کے درمیان جو فیصلہ طے پایا تھا اس پر اب بھی عمل ہو رہا ہے۔ سعودی خاندان کو وہاں کی زبان اور تاریخ میں ''آل شیخ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دونوں خاندانوں کے تعلقات نہایت مستحکم چلے آرہے ہیں۔ کبھی کسی کو کسی سے شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ علوم دینیہ اور دعوت اسلامی کے معاملات آل شیخ کے سپرد ہیں، جس میں حکومت کوئی دخل نہیں دیتی اور ملکی سیاست اور حکمرانی کے فرائض کی انجام دہی کے ذمہ داری آل سعود ہیں، اسمیں آل شیخ بالکل مداخلت نہیں کرتے۔

تقریب صحیح بخاری شریف و سالانہ جامعہ سلفیہ کانفرنس

بمقام: جامعہ سلفیہ حاجی آباد فیصل آباد

بتاریخ: 22 اکتوبر 2002

بروز منگل بعد نماز مغرب تا رات گئے۔

پاکستان کے نامور علماء، ممتاز مشائخ ودانشور خطاب فرمائیں گے۔ انشاءاللہ

☆☆☆☆

محفل حسن قرأت

بتاریخ: 29 ستمبر 2002 بروز اتوار

بعد نماز عشاء

پاکستان کے نامور قراء حضرات شرکت فرمائیں گے۔ ان شاءاللہ

اہل اسلام سے شرکت کی پرزور اپیل ہے

منجانب: انتظامیہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد

تفصیلی اشتہار کا انتظار فرمائیں۔

خطبہ جمعہ

جامع مسجد ابوبکر صدیق اہلحدیث راہوالی گوجرانوالہ کینٹ

بتاریخ: 4 اکتوبر 2002

ترجمان مسلک اہلحدیث

حافظ فاروق الرحمن یزدانی

مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد

ارشاد فرمائیں گے ان شاءاللہ

منجانب: قاری بشیر احمد مدرس

جامع مسجد ابوبکر صدیق اہلحدیث راہوالی

© rasailojaraid.com